ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

قدیم تہذیبوں میں عورت کی محکومی اور اسلام کا تصورِ مساوات: ایک تقابلی جائزہ

THE SUBJUGATION OF WOMEN IN ANCIENT CIVILIZATIONS AND THE CONCEPT OF EQUALITY IN ISLAM: A COMPARATIVE STUDY

Dr. Mubashir Hussain
Associate Professor, Govt. Associate College Phalia.
mubashirnike0@gmail.com
Dr. Azeemullah Jundran
Assistant Professor, Department of Urdu, Superior University, Faisalabad.

Abstract:
This research article presents a comprehensive comparative analysis of the status of women across ancient civilizations and the revolutionary changes introduced by Islam. Historically, women have occupied a paradoxical position in society, often swinging between deification and extreme marginalization. By examining the linguistic roots and philosophical underpinnings of the term "Aurat," this study explores how ancient Greek thought branded women as a "necessary evil," while Roman and Iranian legal systems treated them as "movable property." Furthermore, it delves into the theological burdens imposed by Judaism and Christianity through the concept of "Original Sin" and the oppressive socio-religious laws found in ancient Indian traditions, such as Sati and the Manu Smriti. In stark contrast, the article highlights the paradigm shift brought about by the advent of Islam in the 7th century. Islam replaced gender-based subjugation with the concept of "creative unity" and "human dignity," establishing women as independent legal, economic, and social entities. Through an analysis of Quranic verses and the Prophetic (ﷺ) reforms, the study demonstrates how Islam secured fundamental rights—including inheritance, education, and marital consent—centuries before modern feminist movements. The article concludes that while ancient civilizations viewed women through the lens of utility or inherent flaw, Islam restored their status as complete human beings, providing a timeless framework for gender equality and social justice.

Key words: *Women in Islam, Ancient Civilizations, Gender Equality, Subjugation of Women, Comparative Religion, Human Dignity, Prophetic Reforms, Socio-Legal Status, Islamic Feminism, Historical Analysis.*

انسانی تاریخ کے طویل اور پیچیدہ سفر میں عورت کا وجود ہمیشہ سے بحث و تمحیص اور تضادات کا مرکز رہا ہے۔ ایک طرف جہاں اس کی تخلیقی قوت اور جمالیاتی اہمیت کو کائنات کی رنگینی اور زندگی کے سوزِ دروں کا ضامن قرار دیا گیا، وہیں دوسری طرف اسے صدیوں تک سماجی، قانونی اور مذہبی سطح پر حاشیے پر رکھا گیا۔ قدیم تہذیبوں نے اسے کبھی دیوی بنا کر پوجا تو کبھی "ناگزیر برائی" یا محض ایک مادی اثاثہ قرار دے کر اس کے بنیادی انسانی حقوق کی نفی کی۔ یہ متضاد رویہ یونان کے فلسفیانہ دبستانوں سے لے کر رومی قوانین اور قدیم ہندوستان کی ہولناک رسومات تک ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے، جہاں عورت کا تشخص اس کی اپنی ذات کے بجائے مرد کی افادیت اور سماجی مصلحتوں کے تابع رہا۔

زیرِ نظر مقالے میں اسی تاریخی محکومی اور اسلام کے پیش کردہ تصورِ مساوات کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ جہاں قدیم یونانی فکر نے اسے "پینڈورا" کی صورت میں تمام برائیوں کی جڑ مانا اور مسیحیت و یہودیت نے اسے "پیدائشی گناہ" کے بوجھ تلے دبایا، وہیں ساتویں صدی عیسوی میں ظہورِ اسلام نے ایک عظیم فکری و تمدنی انقلاب برپا کیا۔ اسلام نے "تخلیقی وحدت" اور "شرفِ انسانیت" کا آفاقی ضابطہ پیش کر کے عورت کو ایک مستقل، خود مختار اور باوقار قانونی و معاشی

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

اکائی کے طور پر تسلیم کرایا۔ یہ تحقیق اس امر کو واضح کرتی ہے کہ اسلام نے کس طرح صدیوں پرانی صنفی تفریق کا خاتمہ کر کے عورت کو وراثت، تعلیم اور شخصی آزادی جیسے وہ حقوق عطا کیے، جو اسے جدید تحریکوں سے بہت پہلے ایک مکمل انسان کے طور پر معتبر بناتے ہیں۔

لفظ 'عورت' اپنے اشتقاقی اور لغوی پس منظر میں محض ایک صنف کی نشاندہی نہیں کرتا بلکہ یہ حیا، حجاب اور سماجی اقدار کے ایک وسیع نظام کا احاطہ کرتا ہے۔ عربی زبان سے ماخوذ یہ لفظ اپنی جڑوں میں 'عورت' (بمعنی چھپانے کی چیز) سے جڑا ہے، جس کے بنیادی معنی شرم وحیا اور پردے کے ہیں۔ لسانی اعتبار سے اردو میں اس کے لیے متعدد مترادفات مستعمل رہے ہیں جن میں زن، استری، ناری، جورو اور زوجہ نمایاں ہیں۔ لغت نگاروں نے اس لفظ کی تعریف میں جسمانی ساخت اور سماجی حیثیت دونوں کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ "فیروز اللغات" میں اس کے مفاہیم کی وضاحت کچھ اس طرح ملتی ہے:

"عورت: (ع۔ا ث) مرد کی مادہ۔ نار۔ لگائی۔ استری۔ جورو۔ بیوی۔ زوجہ۔ شرم گاہ، جسم کے وہ حصے جن کا کھولنا موجب شرم ہو۔" (1)

اردو زبان کے مستند فرہنگ نگاروں نے لفظ 'عورت' کی تشریح میں اس کے ثانوی اور مجازی معنوں کو بھی جگہ دی ہے، جہاں اسے "گھر والی" یا "شریکِ حیات" کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ تاہم، قدیم لغات میں اس کے مادی اور جسمانی پردے والے پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ "فرہنگِ آصفیہ" میں اس لفظ کے اطلاق کو انسانی جسم کے ان حصوں سے منسوب کیا گیا ہے جن کی ستر پوشی اخلاقی و مذہبی طور پر لازم قرار دی گئی ہے۔ اسی تسلسل میں "نور اللغات" نے اس کی حدود کا تعین کرتے ہوئے لکھا ہے:

"عورت: (ع) وہ چیز جس کے دکھانے سے شرم آئے۔ ناف سے ٹخنہ تک جسم کا حصہ۔ زن۔ مصباح المیز میں بہ معنی زن بھی لکھا ہے۔ زوجہ۔ بیوی۔" (2)

فلسفیانہ نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو عورت کی حقیقت محض ایک لغوی تعریف تک محدود نہیں رہی بلکہ وہ صدیوں سے مفکرین اور دانشوروں کے درمیان تضادات اور مباحث کا مرکز رہی ہے۔ انسانی تاریخ میں عورت کا تصور افراط و تفریط کا شکار رہا ہے؛ جہاں ایک طرف اسے کائنات کی رنگینی اور تخلیقی قوت کا سرچشمہ مانا گیا، وہیں دوسری طرف اسے تمام برائیوں کی جڑ (Root of all evils) قرار دے کر اس کا استحصال بھی کیا گیا۔ فلسفیانہ سطح پر اسے ایک ایسے "راز" سے تشبیہ دی گئی ہے جسے جتنا سمجھنے کی کوشش کی گئی، وہ اتنا ہی گنجلک ہوتا گیا۔ مرد اساس سماج میں اسے کبھی دیوی بنا کر پوجا گیا اور کبھی محض تفریح کا سامان سمجھ کر بازاروں میں اس کی بولی لگائی گئی۔ اس کے وجود کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے علامہ اقبال نے اسے تصویرِ کائنات کے رنگوں کا ضامن قرار دیا ہے:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں (3)

عورت کا فلسفیانہ پس منظر اس کی کثیر الجہتی شخصیت کا غماز ہے، جس میں وہ ایک ہی وقت میں ممتا کی شفقت، بیوی کی وفاداری اور بیٹی کی تقدیس کا پیکر بن کر ابھرتی ہے۔ مختلف تہذیبوں نے اسے اپنے اپنے زاویوں سے پرکھا؛ یونانیوں کے لیے وہ ایک "ناگزیر برائی" تھی تو رومیوں کے نزدیک محض ایک جائیداد۔ تاہم، جدید فلسفیانہ تناظر میں اسے ایک جیتی جاگتی، حساس اور فکری اکائی کے طور پر تسلیم کیا جا رہا ہے، جو اپنی انفرادی شناخت اور سماجی خود مختاری کے لیے کوشاں ہے۔ عورت کی تاریخ درحقیقت اسی جبر اور تقدیس کے درمیان جاری مسلسل کشمکش کی داستان ہے، جہاں وہ اپنے وجود کے جواز اور اپنی اصل پہچان کی تلاش میں صدیوں کا سفر طے کر کے آئی ہے۔

قدیم یونانی تمدن، جسے تاریخ میں علم و حکمت، فلسفہ اور جمہوریت کا گہوارہ تسلیم کیا جاتا ہے، صنفی معاملات اور عورت کے سماجی مقام کے حوالے سے انتہائی سخت گیر اور متعصبانہ رویوں کا حامل رہا ہے۔ یونانی اساطیر اور دیومالائی داستانوں میں عورت کا تصور ہی تخریب اور فتنہ انگیزی سے شروع ہوتا ہے۔ اس عہد کے فکری ڈھانچے میں عورت کو ایک ایسی ہستی کے طور پر پیش کیا گیا جس کی تخلیق کا مقصد ہی انسانی دنیا میں مصائب پھیلانا تھا۔ یونانی اساطیر کے مطابق دنیا کی پہلی عورت "پینڈورا" (Pandora) تھی، جسے دیوتاؤں نے محض انتقام اور برائیوں کی ترویج کے لیے تخلیق کیا تھا۔ اس تصور نے یونانی معاشرے میں عورت کے خلاف ایک گہرا نفسیاتی اور فلسفیانہ تعصب پیدا کر دیا، جس کے تحت اسے انسانیت کے لیے ایک مستقل خطرہ اور آزمائش سمجھا گیا۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

یونانی فلسفیوں، جنھوں نے کائنات کے ہر مظہر پر عقلی بحث کی، وہ بھی عورت کی جبلت اور فطرت کو سمجھنے میں تذبذب کا شکار رہے اور اسے ایک "ناگزیر برائی" (Necessary Evil) کے طور پر تسلیم کیا۔ ان کے نزدیک عورت کی اہمیت محض امورِ خانہ داری اور نسل انسانی کے تسلسل تک محدود تھی، جبکہ اسے فکری اور تمدنی سرگرمیوں کے لائق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ دنیا کے عظیم ترین مفکر کہلانے والے سقراط نے بھی عورت کے وجود کو دنیا کے امن و سکون کے لیے نقصان دہ قرار دیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مشتاق وانی لکھتے ہیں:

> "مشہور و معروف فلسفی سقراط نے اپنی ایک تحریر میں کہا تھا کہ میں نے جس بھی مسئلہ پر غور کیا اس کی گہرائیوں کو با آسانی سمجھ لیا مگر تا حال میں عورت فطرت کو نہیں سمجھ سکا۔ عورت اپنے اندر فتنہ انگیزی کی تاثیر رکھتی ہے اگر عورت کا وجود دنیا میں نہ ہوتا تو دنیا امن و چین کا مسکن ہوتی، بدنصیب عورت کے باعث دنیا کا سکون پامال ہو چکا ہے۔" (4)

سماجی اور قانونی سطح پر بھی یونانی عورت کی حیثیت ایک لونڈی سے بہتر نہ تھی۔ اسے وراثت، تعلیم اور شخصی آزادی جیسے بنیادی حقوق سے یکسر محروم رکھا گیا تھا۔ شادی کے معاملات میں اس کی مرضی کا کوئی دخل نہ تھا اور اسے اپنے باپ یا خاندان کے مردوں کی وصیت کا پابند ہونا پڑتا تھا۔ یونانی معاشرت میں عورت کا دائرہ عمل صرف گھر کی چار دیواری تھی اور اسے عوامی زندگی سے دور رکھنا ہی پارسائی کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ مشہور مصنف جان سٹیورٹ مل کے نزدیک عورت کی شناخت کا اخفا ہی اس کی عفت کی دلیل تھا اور عورت کا نام اور جسم دونوں کو گھر میں قید رہنا چاہیے۔ (5)

یونانی فکر کا یہ صنفی امتیاز صرف ایتھنز یا اسپارٹا تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے آنے والی کئی صدیوں تک مغربی اور دیگر متمدن اقوام کے شعور کو متاثر کیا۔ عورت کو کمتر، ناقص العقل اور معاشرتی بوجھ سمجھنے کا یہ رجحان دراصل اسی یونانی فلسفیانہ بیانیے کی پیداوار تھا جس نے اسے ایک مکمل انسان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مغربی دنیا میں عورت کے حقوق کی پامالی کی جڑیں اسی تمدن میں پیوست ہیں۔ یونانی تمدن کی تمام تر علمی فتوحات کے باوجود، وہاں کی عورت صنفِ نازک کے نام پر استحصالی قوانین اور فلسفیانہ سخت گیری کی زنجیروں میں جکڑی رہی، جہاں اسے ایک جیتی جاگتی ہستی کے بجائے محض ایک "گھریلو ضرورت" کے طور پر برتا گیا۔

قدیم رومی معاشرت میں عورت کا قانونی اور سماجی مقام کسی آزاد فرد کے بجائے محض ایک اثاثے یا 'منقولہ جائیداد' (Movable Property) کا تھا۔ رومی قوانین کے تحت عورت کو شخصی، معاشی اور قانونی خود مختاری سے مکمل طور پر محروم رکھا گیا تھا، اور اسے تادمِ مرگ کسی نہ کسی مرد کی سرپرستی میں رہنا پڑتا تھا۔ رومی نظامِ عدل میں شوہر کو اپنی بیوی پر وہی اختیارات حاصل تھے جو ایک مالک کو اپنے غلام یا مادی مال پر ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف وراثت سے محروم تھی بلکہ اسے شوہر کی مکمل ملکیت تصور کیا جاتا تھا، جسے دیگر منقولہ اشیاء کی طرح خریدا اور بیچا جا سکتا تھا۔

رومی عہد کے فکری اور طبی نظریات نے بھی عورت کی اس ثانوی حیثیت کو سائنسی جواز فراہم کرنے کی کوشش کی۔ رومیوں کے نزدیک ریاست کی مضبوطی کا انحصار آبادی کے اضافے پر تھا، جس کے نتیجے میں عورت کو محض ایک تولیدی آلے کی حیثیت دے دی گئی۔ مشہور رومی طبیب گیلن نے تو عورت کو جسمانی طور پر ادھورا اور مرد کی ایک "بگڑی ہوئی شکل" قرار دیا۔ ڈاکٹر مبارک علی اس طبی تعصب کی وضاحت رومی طبیب کے حوالے سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "رومی طبیب گیلن کے نظریے کے مطابق عورت کے رحم میں مرد کی تشکیل میں زیادہ گرمی اور توانائی درکار ہوتی ہے، جو اسے طاقتور اور متناسب اعضا کا حامل بناتی ہے۔ اس کے برعکس عورت کی تشکیل میں گرمی اور توانائی کی کمی ہوتی ہے اس لیے وہ نرم اور نازک ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے عورت مرد کی بگڑی ہوئی شکل ہوتی ہے۔" (6)

ایران کی قدیم معاشرت میں بھی عورت کی حالت زارِ رومی تمدن سے مختلف نہ تھی، بلکہ یہاں اخلاقی زوال نے خاندانی رشتوں کی تقدیس کو مزید پامال کر دیا تھا۔ ایرانی سماج میں عورت کو تحفظ فراہم کرنے والے ضوابط کا فقدان تھا، جس کی وجہ سے مرد کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ جتنی چاہے شادیاں کرے، داشتہ رکھے یا جب چاہے طلاق دے دے۔ مذہبی متون (ژند اوستا) میں عورت کے بارے میں واضح قوانین کی عدم موجودگی نے مرد کو جابرانہ اختیارات دے رکھے تھے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

فدا حسین ملک نے اس دور میں عورت کے ساتھ روا رکھے جانے والے بہیمانہ سلوک کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"In Egypt and all the european countries, women were treated worse than slaves."(7)

ترجمہ: مصر اور یورپی ممالک میں عورتوں سے جو سلوک کیا جاتا تھا وہ غلاموں سے بھی بدتر تھا۔

قدیم ایرانی تہذیب میں اخلاقی پستی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ باپ کا بیٹی سے اور بھائی کا بہن سے نکاح بھی غیر معمولی نہ رہا تھا۔ عورت کی اپنی کوئی شخصی پہچان یا رائے موجود نہ تھی اور اسے محض ایک ایسی شے سمجھا جاتا تھا جسے وراثت میں منتقل کیا جا سکتا تھا۔ ان معاشروں نے اجتماعی طور پر ایک ایسا ڈھانچہ تشکیل دیا جہاں عورت کی حیثیت محض ایک خدمت گزار لونڈی کی تھی، جس کا کام مرد کی نفسانی خواہشات کی تسکین اور گھر کی دیکھ بھال تک محدود تھا۔ الغرض، رومی اور ایرانی دونوں تہذیبوں نے عورت کو انسانیت کے بنیادی حقوق سے محروم رکھ کر اسے محض ایک 'مادی اثاثہ' بنائے رکھا۔

یہودیت کے مذہبی اور معاشرتی ڈھانچے میں عورت کی حیثیت ایک ایسے کمزور وجود کی رہی ہے جس پر 'پیدائشی گناہ' کی پرچھائیاں ازل سے ثبت کر دی گئیں۔ توریت اور کتابِ مقدس کے دیگر صحائف میں حوا کے کردار کو آدم کے زوال اور جنت سے بے دخلی کا واحد سبب ٹھہرایا گیا، جس کے نتیجے میں صنفِ نازک کو صدیوں تک فریب اور اخلاقی پستی کا استعارہ سمجھا گیا۔ یہودی معاشرت میں عورت کو ایک مادی شے یا "اثاث البیت" کی حیثیت حاصل تھی، جہاں اس کی انفرادی مرضی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ باپ کو یہ قانونی حق حاصل تھا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو فروخت کر دے، جبکہ بیوہ عورت کو اپنے فوت شدہ شوہر کے بھائی سے نکاح پر مجبور کیا جاتا تھا تاکہ موروثی وراثت خاندان سے باہر نہ جائے۔ اس تہذیبی پس منظر میں عورت کو جائیداد سے محروم رکھ کر اسے محض نسل بڑھانے کا ایک ذریعہ بنا دیا گیا۔ یہودی فکر میں عورت کے حوالے سے پائے جانے والے اس گہرے تعصب کو عبدالعزیز ہاشمی نے ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے:

"عورت برائی کی جڑ ہے، مرد کے لیے باعث ذلت اور معاشرے کے لیے باعث شر و فساد جس کا کام فقط مرد کو بُرے کاموں کے لیے اُکسانا اور اس کی دنیا تباہ اور آخرت برباد کرنا ہے۔"(8)

مسیحیت کے ابتدائی دور میں اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات نے صنفِ نازک کے ساتھ حسنِ سلوک کی بنیاد رکھی، لیکن بعد کے ادوار میں کلیسا کے زیرِ اثر مسیحی فکر میں عورت کے خلاف ایک منظم اور سخت گیر بیانیہ تشکیل پایا۔ چرچ کے جلیل القدر رہنماؤں اور اولیاء نے عورت کو "شیطان کا دروازہ" (Gateway of the Devil) قرار دے کر اسے تمام انسانی لغزشوں کا منبع بنا دیا۔ اس انتہا پسندانہ مذہبی فکر کے تحت عورت کی خوبصورتی، لباس اور زینت کو گناہ کی ترغیب سمجھا گیا، جس کے باعث عورت نفسیاتی طور پر اپنی ذات سے شرمندہ رہنے لگی۔ کلیسا نے عورت کو فکری اور سماجی طور پر اس قدر مفلوج کر دیا کہ 58ء میں منعقدہ ایک کونسل میں باقاعدہ اس امر پر مباحثہ ہوا کہ آیا عورت کو "انسان" تسلیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مسیحی معاشرت میں عورت کے اس استحصال اور تحقیر کا نقشہ درج ذیل اقتباس سے واضح ہوتا ہے:

"مسیحیت میں عورت کو ایک خطرناک مجرم اور برائی کی جڑ اور مرد کی دشمن تصور کیا جاتا ہے، عورت سے بات کرنا بے شرموں کا کام اور ہاتھ لگانا گناہ گاروں کا کام خیال کیا جاتا ہے عورت سے ازدواجی تعلقات۔۔۔ عورت نہیں بلکہ شیطان کا وجود ہے جو مرد کے لیے تباہ کن ہے۔"(9)

ان مذہبی مصلحتوں اور متعصبانہ قوانین کے نتیجے میں عورت کو وراثت، تعلیم اور قانونی شہادت کے حق سے یکسر محروم کر دیا گیا۔ اسے سماجی مجلسوں سے دور رکھا گیا تاکہ وہ "فتنہ" کا سبب نہ بنے۔ چرچ کے ان رویوں نے ایک ایسے پدرسرانہ نظام کو تقویت دی جس نے صنفِ نازک کو 'پیدائشی گناہ' کا بوجھ ڈھونے والی ایک محکوم ہستی بنا کر رکھ دیا، جو اپنی نجات کے لیے صرف مرد کے رحم و کرم پر تھی۔

برصغیر کی قدیم تاریخ میں عورت کی سماجی حیثیت کا مطالعہ دو متضاد دھاروں کے درمیان منقسم نظر آتا ہے۔ دراوڑی تہذیب کے ابتدائی ادوار میں، جو کہ ایک مادر سری نظام پر مبنی معاشرہ تھا، عورت کو خاندان اور قبیلے میں مرکزی اور روحانی اہمیت حاصل تھی، جہاں وہ "ماں دیوی" کے روپ میں پوجی جاتی تھی۔ تاہم، آریائی غلبے اور پدری نظام کے استحکام کے ساتھ ہی عورت کی یہ مرکزیت رفتہ رفتہ معدوم ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ ایک ایسے سماجی ڈھانچے نے لے لی جہاں مذہبی قوانین اور جابرانہ رسومات نے صنفِ نازک کو مرد کے مکمل تابع کر دیا۔ اس تبدیلی کے عمل میں "منوسمرتی" جیسی کتب نے کلیدی کردار ادا کیا، جنھوں نے عورت کی آزادی کو اخلاقی اور قانونی طور پر ممنوع قرار دے کر اسے تاحیات محکومی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

منو سمرتی کے قوانین نے عورت کے شخصی وجود کو خاندان کے مردوں کی مرضی کے ساتھ اس قدر پیوست کر دیا کہ اسے کسی بھی مرحلے پر آزادانہ فیصلے کا حق نہیں دیا گیا۔ ان قوانین کے تحت عورت کو بچپن میں باپ، جوانی میں شوہر اور بڑھاپے میں اپنے بیٹوں کے زیرِ اثر رہنے کا پابند بنایا گیا۔ ہندو دھرم کے ان قدیم قوانین نے نہ صرف اسے وراثت سے محروم رکھا بلکہ اس کے لیے نکاحِ ثانی کے دروازے بھی بند کر دیے، جس کے نتیجے میں بیوہ عورت کے لیے زندگی ایک مستقل عذاب بن کر رہ گئی۔ اس جابرانہ قانون سازی کی عکاسی مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوتی ہے:

"ہندو مذہب کے قدیم قوانین، جنہیں منو سمرتی کہا جاتا ہے، عورت کو شوہر کا غلام اور تابعدار قرار دیتے ہیں۔ بیوی کو ہدایت دی گئی کہ وہ شوہر کے مرنے کے بعد بھی آزاد نہ ہو اور اپنے سب سے بڑے بیٹے کے زیرِ سایہ رہے۔ اگر عورت نکاحِ ثانی کرتی ہے، تو وہ سورگ (جنت) سے محروم سمجھی جاتی ہے۔"(10)

تاریخ کے اس تسلسل میں عورت کی تعلیمی اور مذہبی حیثیت کو بھی بتدریج ختم کیا گیا۔ ویدوں کے ابتدائی عہد میں اگرچہ خواتین کو تعلیم حاصل کرنے اور مذہبی گیتوں (بھجنوں) میں شرکت کی اجازت تھی، مگر برہمنی نظام کے عروج نے ان کے ان حقوق پر بھی قدغن لگا دی۔ عورتوں کو ویدوں کے مطالعے سے دور کر دیا گیا اور ان کی نجات کا واحد راستہ صرف شوہر کی بے چوں وچرا خدمت قرار پایا۔ اس فکری تنزلی کے بارے میں ڈاکٹر مبارک علی رقم طراز ہیں:

"ویدوں کے ابتدائی دور (300 ق م تک) میں عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت تھی، لیکن بعد میں ان کی تعلیم پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ عبادات کی رسومات پر برہمن مردوں کا غلبہ ہو جانے کے بعد عورت کا کردار مزید محدود کر دیا گیا، یہاں تک کہ وہ ویدوں کے بھجن گانے کی بھی مجاز نہ رہیں۔"(11)

قدیم ہندوستان میں عورت کے استحصال کی سب سے ہولناک شکل "ستی" کی رسم تھی، جس نے اسے شوہر کی موت کے بعد جینے کے حق سے بھی محروم کر دیا۔ ستی کا فلسفہ دراصل عورت کی انفرادی شناخت کو مکمل طور پر مٹانے کی ایک انتہا پسندانہ صورت تھی، جس کے تحت بیوہ کو اپنے مرد کی چتا کے ساتھ زندہ جل جانا پڑتا تھا۔ سنہ 510ء کے قریب مدھیہ پردیش سے ملنے والے تاریخی شواہد اس رسم کی سنگینی کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی "دیوداسی" جیسے نظام نے مذہبی لبادے میں عورت کے جنسی استحصال کو جائز قرار دے دیا، جہاں معصوم لڑکیوں کو مندروں کے نام پر دان کر کے پجاریوں کی ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا تھا۔ ان تمام مذہبی اور سماجی رویوں نے مل کر قدیم ہندوستانی معاشرت میں عورت کو ایک ایسی ہستی بنا دیا جو بظاہر دیوی کے روپ میں پوجی تو جاتی تھی، مگر عملی زندگی میں وہ حقوق سے محروم ایک بے بس اکائی بن کر رہ گئی تھی۔

اسلامی فکر نے انسانی تمدن کی تاریخ میں عورت کے تصور کو جس طرح منقلب کیا، وہ نہ صرف ایک سماجی اصلاح تھی بلکہ ایک فکری اور تخلیقی انقلاب تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب دنیا کی اکثر تہذیبیں عورت کو انسانیت کے دائرے سے خارج یا محض ایک محکوم ہستی سمجھتی تھیں، اسلام نے "تخلیقی وحدت" کا تصور پیش کر کے مرد اور عورت کے درمیان کسی بھی نوعیت کی فطری برتری کے نظریے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ قرآن مجید نے یہ واضح کیا کہ انسانیت کی بقا اور اس کا آغاز ایک ہی جوہرِ تخلیق سے ہوا ہے، جہاں صنف کی بنیاد پر کسی کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں، بلکہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر اور سکون کا باعث ہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیت انسانی مساوات کی اسی عالمگیر بنیاد کو فراہم کرتی ہے:

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں کے ذریعے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پیدا کیا۔"(12)

اسلام نے عورت کو اس کی انفرادی حیثیت میں تسلیم کرتے ہوئے اسے "شرفِ انسانیت" سے نوازا۔ دورِ جاہلیت کے ان سفاکانہ رواجوں کا خاتمہ کیا گیا جہاں بیٹی کی پیدائش کو باعثِ شرم سمجھ کر اسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ اسلامی ضابطہ حیات میں عورت کو صرف ایک رشتہ نہیں بلکہ ایک خود مختار قانونی اور معاشی اکائی بنا دیا گیا۔ اسے وراثت میں حصہ دیا گیا، تعلیم کے حصول کو اس کا حق قرار دیا گیا اور نکاح و طلاق جیسے معاملات میں اس کی مرضی کو فیصلہ کن حیثیت بخشی گئی۔ یہ انقلاب اس حقیقت کا مظہر ہے کہ خدا کے نزدیک فضیلت کا معیار جنس نہیں بلکہ تقویٰ اور نیک اعمال ہیں۔ اسلام نے عورت کو ماں کی صورت میں تقدس، بیٹی کی صورت میں رحمت اور بیوی کی صورت میں مرد کا لباس اور سکونِ قلب کا ذریعہ ٹھہرایا۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

قرآن مجید میں نیکی کے صلے کے حوالے سے صنفی تفریق کو ان الفاظ میں رد کیا گیا ہے:

"جو شخص نیک کام کرے، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، وہ جنت میں داخل ہو گا اور اس پر ظلم نہ ہو گا۔"(13)

اس فکری وحدت اور شرفِ انسانیت نے مسلم معاشرت میں عورت کے کردار کو ایک نئی توانائی بخشی۔ اسے معاشی بوجھ سمجھنے کے بجائے گھر کی ملکہ اور نسلِ نو کی معمار کا درجہ دیا گیا۔ اسلام نے جہاں مرد پر عورت کی کفالت کی ذمہ داری ڈالی، وہیں اسے جائیداد کی ملکیت اور تجارت کے حقوق بھی فراہم کیے تاکہ وہ کسی کی محتاج نہ رہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اصلاحات نے عورت کو پستی کے گڑھے سے نکال کر وہ حقوق عطا کیے جن سے وہ صدیوں تک محروم رہی تھی۔ یوں، اسلامی انقلاب نے عورت کو فکری غلامی سے نکال کر عزت و احترام کے اس بلند مقام پر فائز کر دیا، جس کی نظیر انسانی تاریخ کے کسی اور نظام میں نہیں ملتی۔ اس طرح اسلام نے ثابت کیا کہ عورت محض صنفِ نازک نہیں بلکہ ایک مکمل، باوقار اور تخلیقی انسانی وجود ہے جس کی تعظیم معاشرے کے ہر فرد پر لازم ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت نے جزیرہ نما عرب ہی نہیں بلکہ پوری انسانی کائنات میں عورت کے حوالے سے ایک ایسی ہمہ گیر اصلاحاتی لہر پیدا کی جس کے اثرات ابدی اور آفاقی ہیں۔ آپ ﷺ نے جس عہد میں آنکھ کھولی، وہاں عورت کی حیثیت محض ایک متاعِ بے وقعت یا سماجی بوجھ تک محدود تھی، مگر محمدی ﷺ نظامِ عدل نے اسے ایک ایسی باوقار شناخت عطا کی جس نے اسے تمام سماجی، معاشی اور قانونی معاملات میں ایک محترم مقام پر فائز کر دیا۔ یہ اصلاحات محض وقتی مصلحتوں پر مبنی نہ تھیں بلکہ ان کی بنیاد عدلِ الٰہی اور انسانی تکریم پر رکھی گئی تھی۔ آپ ﷺ نے عورت کو نہ صرف وراثت کا حق دار ٹھہرایا بلکہ نکاح کے معاملے میں اس کی رضامندی کو لازمی قرار دے کر اس کی انفرادی مرضی کو قانونی تحفظ فراہم کیا۔ اس حوالے سے سید امیر علی کے مشاہدات ان انقلابی اصلاحات کی وسعت کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"حضور ﷺ نے اپنے آئینی نظام میں عورتوں کو ایسے حقوق عطا کیے، جو اس سے پہلے انھیں کبھی نصیب نہ ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں ایسی ایسی خصوصی مراعات بخشیں، جن کی قدر شناسی زمانہ کچھ اور ترقی کر نے کے بعد کرے گا، آپ ﷺ تمام قانونی اختیارات و وظائف میں عورتوں کو مردوں کے برابر مرتبہ بخشا"۔(14)

محمدی ﷺ اصلاحات کا سب سے روشن پہلو وہ خطبہ ہے جو آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری حج کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ خطبہ حجۃ الوداع درحقیقت انسانی حقوق کا وہ پہلا عالمی چارٹر ہے جس میں عورتوں کے حقوق کو ایک "مقدس امانت" کے طور پر پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے مردوں کو متنبہ کیا کہ وہ عورتوں کے معاملے میں اللہ کی پکڑ سے ڈریں، کیونکہ وہ ان کے نکاح میں اللہ کے عہد کے ذریعے آئی ہیں۔ ان اصلاحات نے صنفِ نازک کو معاشرے میں ایک فعال رکن کی حیثیت دی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں خواتین حدیث، فقہ، سیاست اور طبابت کے میدانوں میں مردوں کے شانہ بشانہ خدمات انجام دیتی نظر آتی ہیں۔ خواتین کے حقوق کی اس ابدی پاسداری کی بنیاد حضور ﷺ نے ان الفاظ میں رکھی:

"عورتوں کے حق کے بارے میں میں اللہ سے ڈرو۔"(15)

ان اصلاحات کے ثمرات نے عورت کو ایک ایسی خود مختار معاشی حیثیت فراہم کی جس کا تصور مغربی دنیا نے بیسویں صدی میں جا کر پیش کیا۔ محمدی ﷺ قوانین نے صدیوں قبل ہی یہ طے کر دیا تھا کہ عورت کی جائیداد اور اس کے مال پر اس کا مکمل ملکیت کا حق ہے، اور کسی مرد کو، خواہ وہ باپ ہو یا شوہر، اسے زبردستی غصب کرنے کا اختیار نہیں۔ اس طرح ان اصلاحات نے ایک ایسے متوازن معاشرتی ڈھانچے کی بنیاد رکھی جہاں عورت مظلومیت کے حصار سے نکل کر ایک ایسی معمار بن گئی جس کے دم سے انسانی تہذیب و تمدن کی تصویر میں رنگ بھرے گئے۔ یہ اثرات آج بھی عالمی سطح پر حقوقِ نسواں کی تحریکوں کے لیے ایک ابدی ضابطے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس مطالعے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ انسانی تاریخ کے طویل سفر میں عورت کا تصور مسلسل افراط و تفریط کا شکار رہا ہے۔ قدیم یونانی، رومی، ایرانی، یہودی اور ہندو تہذیبوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان معاشروں نے عورت کو محض ایک مادی شے، ناگزیر برائی، یا گناہ کا سرچشمہ قرار دے کر اس کے انسانی وجود کی نفی کی۔ یونانی فلسفہ ہو یا رومی قانون، ہر جگہ عورت کو مرد کے تابع اور حقوق سے محروم رکھا گیا۔ یہاں تک کہ

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

عیسائیت کے زیرِ اثر کلیسا نے عورت کو "شیطان کا دروازہ" قرار دے کر اسے صدیوں تک ذہنی و سماجی غلامی میں جکڑے رکھا۔ اس کے برعکس، ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کی آمد نے ایک ایسا فکری انقلاب برپا کیا جس نے صنفِ نازک کو مظلومیت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر عزت و وقار کے اس مقام پر فائز کیا جہاں وہ ایک مستقل اور خود مختار انسانی اکائی کے طور پر تسلیم کی گئی۔ اسلام نے نہ صرف اسے جینے کا حق دیا بلکہ وراثت، تعلیم، اور نکاح و طلاق جیسے معاملات میں اس کی مرضی کو کلیدی اہمیت دے کر اسے مرد کے برابر سماجی و قانونی درجہ عطا کیا۔

سفارشات (Recommendations)

1. تعلیمی اداروں کے نصاب میں تقابلی ادیان اور تاریخِ نسواں کے موضوعات کو شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل کو قدیم جاہلیت اور اسلام کے عطا کردہ حقوق کے فرق کا شعوری ادراک ہو سکے۔
2. ذرائع ابلاغ کے ذریعے ان فرسودہ رسوم و رواج کے خلاف مہم چلائی جائے جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں معاشرے میں موجود ہیں اور جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔
3. خواتین کو ان کے اسلامی اور قانونی حقوق (خصوصاً وراثت اور نکاح میں مرضی کا حق) سے آگاہ کرنے کے لیے حکومتی اور غیر حکومتی سطح پر سیمینارز اور ورکشاپس کا انعقاد کیا جائے۔
4. جامعات میں شاعرات اور ادیبات کے کلام میں پیش کردہ "نسائی شعور" پر مزید تحقیقی کام کرایا جائے تاکہ ادب کے آئینے میں عورت کی بدلتی ہوئی فکری جہتوں کو سمجھا جا سکے۔
5. معاشرتی اور تمدنی تعمیرِ نو میں خواتین کو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق فعال کردار ادا کرنے کے مواقع دیے جائیں، تاکہ محمدی ﷺ اصلاحات کے ثمرات عملی طور پر نظر آ سکیں۔

حوالہ جات

1. فیروز الدین (مؤلف)، مولوی، فیروز اللغات اردو، فرید بک ڈپو، نئی دہلی، 2008ء، ص906
2. نور الحسن نیر، مولوی، نور اللغات، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 1998ء، جلد دوم، ص575
3. علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2014ء، ص342
4. ڈاکٹر مشتاق وانی، اردو ادب میں تانیثیت، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2013ء، ص۵۸
5. جان سٹیورٹ مل۔ Subjection of Woman"، "عورتوں کی محکومیت"، مترجم: افتخار شیر وانی، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۹۳ء، بار اوّل، ص۵
6. مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، تاریخ پبلی کیشنز، لاہور، اضافہ شدہ ایڈیشن، 2014ء، ص29
7. Fida Hussain Malik: wives of the prophet Islamic Publication, Lahore, 1961, P17
8. عبد العزیز ہاشمی، تاریخِ نسواں، ایم آر، پبلی کیشنز، س ن، ص۳۰۹۔۳۱۰
9. ایضاً
10. Encyclopedia of Religion and Ethics, Vol.V, P-27
11. مبارک علی، ڈاکٹر، قدیم ہندوستان، تاریخ پبلی کیشنز، لاہور، 2019ء، ص95
12. القرآن، سورہ النساء، آیت:۱
13. القرآن، سورہ النساء، آیت:۱۲۴
14. امیر علی، روحِ اسلام، مترجم: محمد ہادی حسین، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2011ء، ص367
15. قطب الدین دہلوی، مظاہر حق (شرح اردو مشکوٰۃ شریف)، جلد دوم، مکتبۃ العلم، ص751

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

References

1. Molvi Ferozuddin (Muallif), Feroz-ul-Lughat Urdu, Fareed Book Depot, New Delhi, 2008, p. 906
2. Molvi Noor-ul-Hasan Nayyar, Noor-ul-Lughat, Qaumi Council Baraye Farogh-e-Urdu Zaban, New Delhi, 1998, Jild Doem, p. 575
3. Allama Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal, Educational Publishing House, Delhi, 2014, p. 342
4. Dr. Mushtaq Wani, Urdu Adab mein Taneesiyat, Educational Publishing House, New Delhi, 2013, p. 58
5. John Stuart Mill, Subjection of Women (Urdu tarjuma: Aurat'on ki Mehkumiat), Mutarjim: Iftikhar Sherwani, Feroz Sons, Lahore, 1993, Baar-e-Awwal, p. 5
6. Dr. Mubarak Ali, Tareekh aur Aurat, Tareekh Publications, Lahore, Izafa Shuda Edition, 2014, p. 29
7. Fida Hussain Malik, Wives of the Prophet, Islamic Publication, Lahore, 1961, p. 17
8. Abdul Aziz Hashmi, Tareekh-e-Niswaan, M.R. Publications, s.n., pp. 309–310
9. Aizan
10. Encyclopedia of Religion and Ethics, Vol. V, p. 27
11. Dr. Mubarak Ali, Qadeem Hindustan, Tareekh Publications, Lahore, 2019, p. 95
12. Al-Qur'an, Surah An-Nisa, Ayat 1
13. Al-Qur'an, Surah An-Nisa, Ayat 124
14. Ameer Ali, Rooh-e-Islam, Mutarjim: Muhammad Hadi Hussain, Al-Hamd Publications, Lahore, 2011, p. 367
15. Qutub-ud-Din Dehlvi, Mazahir-e-Haq (Sharh Urdu Mishkat Shareef), Jild Doem, Maktaba-tul-Ilm, p. 751